Majallah-yi Talim o Tahqiq

مجلہ تعلیم وتحقیق

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مرکز تعلیم وتحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ-۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, **ISSN (Online):** 2618-1363

Issue 2, Vol 3,April-June pp 54-71

شمارہ ۲، جلد ۳، اپریل-جون صفحات ۵۴-۷۱

شریعت میں عقل کا دائرہ کار اور سرسید کی عقلی تعبیرات

(تجزیاتی مطالعہ)

The Domain of reason in Shari'a and Sir Syed's Rational Interpretations
(An Analytical Study)

Hafiz Muhammad Nafees Khalid*
Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari**

Abstract:

Human intellect is a great blessing of Allah that He has gifted man with. On the basis of this wisdom Allah has given man honor and priority over other beings. For the knowledge and insight of Sharia objectives, the role of reason is very important. The jurists have given much importance to the role of reason for the knowledge of Sharia objectives. An analysis of the jurists' views about the role of reason for the insight of Sharia objectives has been presented in this research paper.

Sir Syed Ahmad Khan who was greatly influenced by western thought and action, wanted Muslims of subcontinent to adopt the social & civil life style of west. To achieve this objective Sir Syed believed that Muslims could never attain prosperity and progress unless they were liberated from the chains of their sound traditional values of past. Tafseer-al-Quran is the reflection of the same thought and believe of Sir Syed. His materialistic and rationalistic approach towards religion has created a gulf between Sir Syed and the other Muslim scholars of his time.

In his commentary Sir Syed has tried to prove all Qura'nic concepts according to the nature, human intellect and scientific laws which are based on observations & experiment, where it was not possible to do so, he has employed modern methodology of exegesis based on 'Ietizali' school of thought. He denied the miracles of Prophets on his way to judge them according to the criteria of 'nature' and 'intellect'.

Keywords:

Domain of reason, rational preferences, sir syed Ahmad Khan

Receiving Date:
29 April 2021
Acceptance Date:
28 June 2021
Publication Date:
30 June **2021**

*Ph.D Scholar, Faculty of Arabic and Islamic Studies, Department of Quran and Tafsir,Allama Iqbal Open University Islamabad hmnafees@gmail.com,
**Chairman Department of Islamic Studies, Associate Professor,National University of Modern Languages, Islamabad-sagbukhari@numl.edu.pk

موضوع کا تعارف اور اہمیت

عقل انسانی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک عمدہ صلاحیت اور ایک بہترین آلہ ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنی ضروریات کا ادراک اور اپنے نفع ونقصان کو پہچانتے ہیں، لیکن عقل کا کوئی فیصلہ بھی حتمی نہیں ہوتا۔ دین کے انتخاب کے بارے میں عقل کو صرف یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اس کے اصول ومبادیات کی جانچ اور تحقیق کرے پھر چاہے تو اسے قبول کرے اور چاہے تو رد کردے کیونکہ دین کے اختیار کرنے میں کوئی مجبوری نہیں لیکن دین کو قبول کرنے کے بعد عقل کو ہرگز یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ اس کے اہم اور بنیادی عقائد و نظریات جو وحی کی صورت میں اسے ملے ہیں، پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کردے بلکہ اسے اب وحی کے تابع ہو کر چلنا چاہیے اور یہ اتباع اندھی عقیدت کے طور پر نہیں بلکہ علی وجہ البصیرت ہونا چاہیے۔ احکام کے نفاذ کے عملی طریقوں پر زمانہ کے حالات کے مطابق غور کرنا اور پیش آمدہ رکاوٹوں کو دور کرنا۔ مثال کے طور پر اسلام نے سود کو کلی طور پر حرام قرار دیا ہے تو عقل کا کام یہ ہونا چاہیے کہ وحی کی حدود کے اندر اس کو ختم کرنے کے لیے حل پیش کرے۔ لیکن اگر عقل سود کو حرام سمجھنے کی بجائے اس کو حلال بنانے کے حیلے سوچنے لگے تو عقل کے اس استعمال کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کتاب وسنت کے واضح احکام کی موجودگی میں عقل کا استعمال سراسر حرام ہے۔ گویا عقل کا ہر فیصلہ اس وقت تک اسے میسر آنے والی معلومات ومشاہدات کی روشنی میں ہوتا ہے اور چونکہ معلومات ومشاہدات اور مدرکات ومحسوسات میں وسعت وتنوع کا امکان ہر لحہ موجود رہتا ہے، اس لیے عقل کے ہر فیصلے میں تبدیلی اور تغیر کا امکان بھی ہر وقت موجود رہتا ہے اور عقل کے کسی فیصلے کو کسی وقت بھی آخری اور حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مقالہ ہذا میں" شریعت میں عقل کا دائرہ کار اور سرسید کی عقلی تعبیرات " کا جائزہ لیا گیا ہے۔

سرسید احمد خان کا مختصر تعارف

سرسید احمد خان کا نام احمد اور والد کا نام محمد تقی ہے۔ سرسید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو ہندوستان کے شہر دہلی میں پیدا ہوئے[3]۔ آپ حسینی سید تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشوونما آپ کے نانا خواجہ فرید الدین احمد خان کے گھر ہوئی[4]۔

سرسید کی ابتدائی تربیت میں سب سے نمایاں کردار ان کی والدہ محترمہ کا تھا جو نہایت باشعور اور سلیقہ مند خاتون تھیں۔ دین کی بنیادی درسی کتب، عربی لغت، ریاضی، علم طب کی کتب اور آلاتِ رصد کے چند رسائل پڑھنے[5] کے بعد آپ ملازمت کی طرف متوجہ ہوئے اور دہلی سے چلے گئے۔ اس دوران ۱۸۳۸ء میں سید احمد کے والد کا انتقال ہو گیا تو ۱۸۴۶ء میں دوبارہ دہلی واپس چلے آئے اور پھر سے تعلیمی سلسلے کو جاری کیا[6]۔

3۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید، ارسلان بکس، (علامہ اقبال روڈ، میرپور آزاد کشمیر، ۲۰۰۰ء)، ج۱، ص۲۵

Maulana Altaf Hussain Hali, Hayat Javed, Arsalan Box, Allama Iqbal Road, Mirpur Azad Kashmir, 2000, V.1, P.2

4- محمود احمد برکاتی ، سیرت فریدیہ، ابتدائیہ، (مطبع مفید عام آگرہ، ہند، ۱۸۹۶ء)، ص۱۶

Mahmood Ahmad Barkati , Sirat Faridiya, Ibtidaiya, Mufid Aam Agra Press, Agra, India, 1896, p. 16

5۔ محمد امین زبیری، تذکرہ سرسید، (پبلشر یونائٹڈ لمیٹڈ، لاہور)، ص۹

Mohammad Amin Zubairi , Tazkira Sir Syed, Publisher United Limited, Lahore, p: 9

6۔ تذکرہ سرسید، ص۱۱

Tazkra Sir Syed, p.11

ملازمت کے لیے کمشنر کے دفتر میں نائب منشی اور پھر ایسٹ انڈیا کمپنی میں ۱۸۳۸ء میں معمولی کلرک یا سر رشتہ دار مقرر ہوئے[7]۔ اگلے ہی سال فروری ۱۸۳۹ء میں آگرہ ڈویژن کے کمشنر رابرٹ ہملٹن کے نائب میر منشی (اسٹنٹ چیف سیکرٹری) مامور ہوئے۔ پھر منصفی کا امتحان دے کر امین پوری کے مقام پر منصف مقرر ہوئے۔ ۱۸۲۴ء میں فتح پور سیکری تبادلہ ہوا اسی سال بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی جانب سے سر سید صاحب کو جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب ملا[8]۔ ۱۸۷۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ جولائی ۱۸۷۶ء کے آخر میں پنشن لے کر علیگڑھ آئے جہاں اپنی زندگی کے باقی بائیس سال مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی تعلیمی خدمات اور اپنے ارادوں کی تکمیل میں گزارے[9]۔ تحریر و تصنیف سے جو کہ سید کی فطرت ثانیہ اور دنیا میں آپ کی پہچان بنی، اپنی زندگی کے اخیر تک منسلک رہے اور قومی ایشوز پر برابر لکھتے رہے۔ آپ کی وفات ۲۵ مارچ ۱۸۹۸ء کو علیگڑھ میں ہوئی اور تدفین ۲۸ مارچ کو ہوئی[10]۔

علمی خدمات

سر سید احمد خان نے ۱۹ویں صدی میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے قابل قدر خدمات سر انجام دی ہیں کہ جب وہاں کے مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی گئی تھی۔ ہندو انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے اور ان کی متعصبانہ روش نے یہ حقیقت ماننے پر مجبور کر دیا تھا کہ ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس دور میں مسلمانوں کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دینے والے سر سید ہی تھے[11]۔

سر سید ایک مختلف الحیثیات شخصیت تھے انہوں نے اپنی ہنگامہ خیز زندگی میں سیاسی، تعلیمی، مذہبی اور تحقیقی غرض ہر قسم کے علمی اور قومی مشاغل میں نمایاں حصہ لیا اور ہر میدان میں اپنا نقش بٹھایا۔ اردو کے اولین معماروں میں تھے۔ ملکی سیاسیات میں بھی ان کے کارنامہ ہائے مسلّم ہیں۔ ان کے مخصوص سیاسی نظریات نے مسلمانانِ ہند کے ذہن کو بدلنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا[12]۔ خالص تعلیمی معاملات میں ان کے اقدامات نے علیگڑھ کی معروف تعلیمی تحریک کی صورت اختیار کی اور دینیات میں انہوں نے مختلف تصورات کے نئے راستے دریافت کئے جن پر ان کے بعد آنے والے (ان کے پیرو) آج تک برابر چل رہے ہیں غرض علم و عمل کے تقریباً ہر شعبے میں ان کی انقلاب آفرین شخصیت نے مستقل نقوش چھوڑے ہیں[13]۔

7۔ حیات جاوید، ج ۱، ص ۶۵

Hayat Javed: V.1, P.65

8۔ سید قاسم محمود، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا، (الفیصل پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۶۹

Syed Qasim Mahmood, Encyclopedia Pakistanica, Al-Faisal Publishers, Urdu Bazaar, Lahore, 2002, p.169

9۔ تذکرہ سر سید، ص ۹

Tazkra Sir Syed, p: 9

10۔ عبد الحق، سر سید احمد خان، حیات و افکار، (انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۵۹ء)، ص ۹۶

Abdul Haq, Sir Syed Ahmad Khan, Hayat o Afkar, Anjuman Tarqi Urdu Karachi, 1959, p. 96

11۔ ڈاکٹر فرح جاوید، سر سید احمد خان ایک مفکر اسلام، (ایس ایچ آفسیٹ پرنٹرز دہلی، ۲۰۱۱ء)، ص ۳۹

Dr.Farah Javed, , Sir Syed Ahmed Khan Aik Mufakkir-e-Islam, SH Offset Printers Delhi, 2011, p: 39

12۔ عبد الخالق، سر سید احمد خان: حالات و افکار، (انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان)، ص ۲۸

Abdul Khaliq, Sir Syed Ahmad Khan: Hayat o Afkar, Urdu Development Association, Karachi, Pakistan, p: 28

13۔ سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ: ص ۳

Sir Syed Ahmad Khan awr un ke namwar rufaqa ki nasar ka fikri awr fanni jaiza: p.3

شریعت میں عقل کا مقام اور دائرہ کار

انسانی صلاحیتوں کا صحیح استعمال یہ ہے کہ انہیں اپنے خالق کی رہنمائی میں استعمال میں کیا جائے۔ مخلوق ہونے کے ناطے انسان کے لیے سب سے اہم چیز خالق کی ہدایت اور رہنمائی ہے۔ اس رہنمائی وہدایت کے بغیر مخلوق کے بارے میں جاننا عبث ہے۔ اسلام نے حواس، عقل اور وحی تینوں کو بطور ذریعہِ علم قبول کیا ہے جو ان اشیاء کا جزوی علم مہیا کرتے ہیں۔ عقل ان جزئیات میں ربط قائم کر کے کوئی قضیہ اخذ کرتی ہے اور وحی اس قضیہ کے درست یا غلط ہونے کا حکم لگاتی ہے۔ جب بطور ذریعہ علم، عقل کو بغیر کسی قید کے سوچنے کا منصب عطا کیا جاتا ہے تو پھر بعض اوقات اسے غلط سمت میں بڑھنے سے روکنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ عقل کو یہ ملکہ عطا نہیں کیا گیا کہ وہ اپنی حد بندیوں کا تعین کرے۔ عقل کو بھٹکنے سے بچانے کے لیے وحیِ الٰہی کے نور وھدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقل مادی الاصل ہے۔ تعقل وادراک کی جولان گاہ عالمِ طبیعیات تو ہو سکتی ہے مگر عالمِ ماورائے مادیات نہیں۔

اسلام میں عقل کی اہمیت اور افادیت سے کسی صاحبِ فہم کو انکار نہیں، لیکن مطلق حکمرانی کا یہ منصب کیا عقل کو زیب دیتا ہے؟ کیا عقل اس منصبِ رفیع کی اہل ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تعقل وادراک ذہنِ انسانی کا طبعی وظیفہ ہے۔ حیات دنیا کی جدوجہد میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے عقل وادراک کی قوتیں انسان کو ہدایت فرمائی ہیں۔ عقل انسان کی بہترین رفیق کار اور معاون ہے۔ انسان کی عظمت ورفعت، تہذیب وتمدن، علوم وفنون، ایجادات وانکشافات سب تعقل وتجسس کے قوٰی کی مرہونِ منت ہیں۔ کسی صاحبِ بصیرت کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ عقل کا دائرہ کار عالمِ مادیات ہے۔ حقیقتِ کبریٰ تک تو اس کی پرواز ہی نہیں۔ حقائق ماورائے مادیات وطبیعیات اور عالم مغیبات کا علم انسان کو وحیِ الٰہی کے ذریعہ انبیاءِ کرام کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔ عقل اگر آزادانہ اور تنہا عالمِ مغیبات کے سفر پر روانہ ہوگی تو ٹھوکر کھانا اس کا مقدر ہے۔

علامہ اقبال نے عقل کی حقیقت سے یوں نقاب کشائی فرمائی ہے کہ عقل کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ وحی کی امامت و ہدایت میں سفر کرے[14]۔

عقل کی محدودیت اور نارسائی کی طرف سب سے پہلے مسلمان حکماء نے توجہ دی اور عقلیت پسندی سے پیدا ہونے والے مفاسد کا رد کرنے کی کوشش کی۔ امام غزالیؒ نے اپنی خود نوشت سوانح حیات "المنقذ من الضلال" میں عقل کی کوتاہ مائیگی کی جانب اشارے کیے ہیں[15]۔ امام ابن تیمیہؒ نے بھی "الرد علی المنطقیین" میں عقل کی کوتاہی کا صاف ذکر کیا ہے[16]۔ علامہ ابن خلدون نے "المقدمہ" میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

"لاتطمع أن تزن به امورالتوحيد والآخرة وحقيقة النبوة وحقائق الصفات الالهية وكل ماوراءطوره فان

---

14. پروفیسر سید محمد سلیم، مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، (کتاب محل، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور)، ص۷۸-۷۹

, Prof. Syed Mohammad Saleem , Maghribi ta'lim ka tanqidi jaiza, Kitab Mahal, Institute of Educational Research, Lahore, pp. 78-79

15۔ امام ابوحامد الغزالی: المنقذ من الضلال، (دار الاندلس، بیروت لبنان، الطبعۃ السابعۃ، ۱۹۶۷ء)، ص۶-۷

Imam Abu Hamid Al-Ghazali : Al-Munqaz Min Al-Dalal, Dar Al-Andalus, Beirut, Lebanon, Seventh Edition, 1967, p.6-7

16. امام ابن تیمیہ، الرد علی المنطقیین، (ادارہ ترجمان السنہ، کراچی، ۲۰۰۸) ص ۴۳۳۔ ۳۸۴

Imam Ibn Taymiyyah, Al-Raddu alal-Muntaqeen,Dar Tarjuman Al-Sunnah, Karachi, 2008, pp. 384, 433

ذلک طمع في محال ومثال ذلک مثال رجل رأى الميزان الذي يوزن به الذهب فطمع أن يزن به الحبال"[17]

مسئلہ توحید، آخرت اور علم نبوت کو عقل کی میزان میں تولنا ایسا ہے جیسے سنار کے کانٹے سے پہاڑ کی جسامت وضخامت کا وزن کرنا۔

علامہ ابن القیم الجوزیؒ عقل کے محدود دائرہ کار پر دلائل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"عقل یقین کا فائدہ کس طرح دے سکتی ہے کہ اس میں شدید تعارض ہے جبکہ علوم وحی میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ علومِ وحی براہ راست ذاتِ الٰہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان میں تضاد نہیں۔ شیخ معصوم نہیں ہوتا جبکہ انبیاء ورسل معصوم ہوتے ہیں۔ لوگوں کی عقل کتاب اللہ پر فوقیت نہیں پا سکتی۔ اس لیے جب عقل و کتاب میں تعارض ہو تو عقل کو رد کیا جائے گا کیونکہ کتاب الٰہی کی عصمت اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ ہم معقولات کو کتاب اللہ پر کسی طرح فوقیت دے سکتے ہیں؟" [18]

امام ابن قیمؒ مزید لکھتے ہیں:

"وحی اور عقل کے درمیان معارضہ گویا انکارِ صانع کو مستلزم ہے۔ وحی اور عقل میں معارضہ سمجھنے والے دراصل زنادقہ ہیں۔ جہاں تک زنادقہ فلاسفہ کا تعلق ہے تو وہ نبوت کے معمر، حدوث عالم اور معاد کے منکر ہیں۔ دنیا کے لیے ایک صانع کا ہونا لفظی طور پر تسلیم کرتے ہیں اور لوگوں کو التباس میں ڈالتے ہیں[19]۔

نیز آپ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"یہ سمجھنا کہ عقل و نقل میں معارضہ ہے۔ وحی اور عقل دونوں سے جہالت کا نتیجہ ہے"۔[20]

عقل کی تحدیت کا یہ نظریہ صرف مسلمان علماء کا ہی نہیں بلکہ دور جدید کے مغربی علماء بھی عقل کی نارسائی کے قائل ہیں۔ مثلاً کانٹ، یونگ وغیرہ۔ انسانی تاریخ بھی شاہد ہے کہ انسان نے اپنے اجتماعی معاملات میں بارہا عقلِ انفرادی اور عقلِ اجتماعی کے ہاتھوں ٹھوکر کھائی ہے۔ یونان کے ارسطو نے عورتوں اور غلاموں کو انسانوں سے فروتر درجہ دیا۔ بدھ مت اور کیتھولک مذہب کے زیر اثر روایتی تعلق کو گندگی اور روحانی ترقی کی راہ میں حارج سمجھا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں امریکی کانگریس نے امتناعِ شراب کا قانون پاس کیا اور پھر ۱۹۳۲ء میں اس قانون کو واپس لے لیا۔ یہی مثال مغرب میں ہم جنس پرستی کے بارے میں دہرائی گئی۔ یہی حال مادہ طبیعیات کے میدان میں سائنس کا ہے کہ وہ تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعے مظاہرات (Phenomena) اور صفات (Attributes) سے تو واقف ہو جاتی ہے لیکن روح (Numen) سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتی۔ سائنس اشیاء کے قریبی (Immediate) اور قریبی (Proximate) مقاصد تو بیان کر دیتی ہے لیکن اصل اور حقیقی مقاصد (Intrinsic and Ultimate) بتانے سے عاجز ہے۔ وہ یہ تو بتاتی ہے کہ بارش کس طرح ہوتی ہے؟ زلزلہ کسی

---

17. ابن خلدون، علامہ عبد الرحمٰن، مقدمہ ابن خلدون، (نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی)، ص ۴۶۰

Ibn Khaldun, Allama Abdul Rahman, Muqaddama Ibn Khaldun, Nafees Academy Urdu Bazaar Karachi, P. 460

18. ابن القیم الجوزیہ، الصواعق المرسلہ، (دار العاصمہ، بیروت لبنان)، ج ۳، ص ۸۳۴-۸۳۹

Al-Jawziya, Ibn al-Qayyim, Al-Sawa'iq al-Mursala, Dar al-Asima, Beirut, Lebanon, V.3 P. 834-839

19. الصواعق المرسلہ: ج ۳، ص ۹۶۲-۹۶۳

Al-Sawa'iq al-Mursala: V.3,P.962-963

20. ایضاً: ج ۴، ص ۱۲۰۸

Also: V.4, P.1208

طرح آتا ہے؟ لیکن وہ یہ بتانے سے عاجز ہے کہ بارش کیوں ہوتی ہے اور کیوں نہیں ہوتی؟ زلزلہ کیوں آتا ہے اور کیوں نہیں آتا؟ یہ بات قابلِ تعجب تو ہے لیکن سائنس کسی مسئلے کا کوئی قطعی اور قابلِ اطمینان حل پیش نہیں کرتی۔

عقل و نقل کے معروف رجحانات

تفسیر و تعبیر میں عقلیت پسندی کا اصول اپنی تاریخی اور موضوعی اہمیت رکھتا ہے بلکہ علم الکلام کے بنیادی مبحث کی حیثیت سے یہ اپنا ایک تاریخی مقام رکھتا ہے۔ جس پر قدیم فلاسفہ نے سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ جہاں تک متکلمینِ اسلام کا تعلق ہے تو یہاں عقل و نقل کا مسئلہ تین رجحانات میں واقع ہے۔ پہلا رجحان یہ ہے کہ شریعت پر عقل مقدم ہے۔ یہ معتزلہ کا رجحان ہے۔ دوسرا رجحان یہ ہے کہ تنہا شریعت کی قانونی اور شرعی اہمیت ہے معاملات میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس رجحان کی نمائندگی بعض حشویہ ظاہریہ اور ان کے ہم خیال لوگ کرتے ہیں۔ تیسرا رجحان ان دو انتہاؤں کے درمیان واقع ہے۔ یہ لوگ شریعت کو عقل پر مقدم تو رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود شریعت کی تفہیم میں عقل کو دخیل مانتے ہیں۔

یہ بات اہم ہے کہ معتزلہ نے عقل کو مقدم رکھنے کے باوجود سماع کو باطل قرار نہیں دیا۔ دوسری طرف ظاہریہ مطلق عقل کو باطل نہیں ٹھہراتے۔ امام ابن حزمؒ کہتے ہیں:

"قول الله تعالى يجب حمله على ظاهره مالم يمنع من حمله على ظاهره نص أخر او اجماع او ضرورة حس[21]"۔ کلام کے ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے۔ کسی صورت میں خدا کے کلام کو اس کے ظاہر سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ کوئی نص، اجماع، یا شدید حسی ضرورت اس بات کا تقاضا کرے کہ کلام کی کوئی چیز ظاہر پر محمول نہیں کی جاسکتی۔

نقل کے جس رجحان کی نمائندگی ظاہریہ نے کی اس نے عقل کو نقل سے الگ کر دیا اور عقل کے رجحان جس کی نمائندگی معتزلہ نے کی ، اس نے عقل کو نقل پر مقدم رکھتے ہوئے نقل کا مکمل انکار کر دیا۔ جہاں تک الٰہیات اور عقائد کے مسئلہ میں نقل اور عقل کا تعلق ہے تو اس بارے میں اصولی بات یہی ہے کہ واجباتِ دین و عقیدہ سے متعلق کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کو قرآن و حدیث میں بیان نہ کیا گیا ہو۔ واجبات کے بارے میں تو یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی جملہ تفصیلات، وہ دلائل و براہین اور شواہد جن سے اس مسئلہ کی صحت پر پوری طرح روشنی پڑسکے۔ قرآن میں ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

مَاكَان حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُل شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ[22] یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں اور کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے ہر چیز کی، اور ھدایت و رحمت ہے ایمان دار لوگوں کے لیے۔[23]

---

21. ، محمد بن عبد الکریم الشہرستانی، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، (دار المشرق، بیروت لبنان، ۱۹۸۶ء)، ج ۲، ص ۱۲۲

Muhammad bin Abdul Kareem Al-Shahristani, Al fasl fil milal walahwai walnihal:, Dar Al-Mashreq, Beirut, Lebanon, 1986, V.2, P.122

22۔ یوسف ۱۲: ۱۱۱

Yousef 12:111

23- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، (مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، 2003)، ج3، ص33

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, Mktaba Quddusia, Ghazni Street Rahman Market, Urdu Bazar,Lahore, 2003, V.3, P.3

اس سے واضح ہے کہ دینی مسائل میں غور وخوض بالکل جائز، موزوں اور بر محل ہے اور ایمانیات وعقائد کی بنیاد قطعی وضاحت اور اثبات پر ہونی چاہیے۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ تنہا عقل کی روشنی سے ایمان وعقائد کی گتھیوں کو سلجھانا قطعاناممکن ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر یونانی فلسفہ توقطعامایوس کن ہے۔

وہ اختلاف اور غور وفکر جس کی قرآن مجید میں ممانعت کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالی: وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ[24] اور (حرام ہے تم پر) اللہ کا نام لے کر تمہارا وہ کہنا جو تم نہیں جانتے ۔[25] علم کے بغیر اللہ کی طرف کی بات کو منسوب کرنا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے: فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ[26] پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے۔[27]

بغیر جانے بوجھے حق وصداقت کا احاطہ کیے بغیر جدل وبحث کرنا، غلط دلائل سے کام لینا۔

جو لوگ عقل ونقل میں اختلاف کو روا سمجھتے ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

1۔ تعارض ادلّہ حقیقی اور ثابت شدہ ہے۔

2۔ رفع تعارض چار صورتوں میں ممکن ہے یا تو ان میں جمع وتوفیق کی جائے یا دونوں بیک وقت مراد ومقصود ہوں۔ اگر دونوں کو بیک وقت تسلیم کرلینا محال ہو تو پھر یا ان میں تاویل سے کام لیا جائے یا تفویض سے۔

3۔ عقل بمنزلہ اصل اور اساس کے ہے۔ اس میں قدح واعتراض نفس دین میں قدح واعتراض ہے۔

نقل کی عقل پر فوقیت کے سلسلے میں ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن مجید اور حدیث وسنت کے تمام تر بیش قیمت ذخائر ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں کہیں بھی عقلیاتِ مصطلحہ کی ضرورت وافادیت پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ نہ ہی کہیں کسی مسئلے کو ان پر موقوف کیا گیا ہے۔ قرآن مجید تو سادہ اور احسن انداز میں ان حقائق کی پردہ کشی کرتا ہے جن کا تعلق قلب وروح کی اصلاح وتزکیہ نفس سے ہے۔

عقلیات کی نقل وسمعیات پر برتری کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ کا مؤقف بڑا جاندار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلف نے غور وتعمق کے فطری رجحانات کی مخالفت نہیں کی۔ قرآن مجید خود تبلیغ کے سلسلے میں عقل وتدبر کو بیدار کرتا ہے اور عقل ودانش کے شواہد کو پیش کرتا ہے۔ سلف نے علم الکلام کی مخالفت اس لیے کی کہ یہ ایسی اصطلاحات کو استعمال کرتا ہے جو حق وباطل کے دوگونہ پہلوؤں کو اپنی آغوش میں لیے ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دعوٰی محض ان کلامی اصطلاحات کی بنیاد پر ثابت کیا جائے گا تو اس امر کا خدشہ ہے کہ اثباتِ حق کے ساتھ اثباتِ باطل بھی لازم آئے۔ اسی طرح اگر کسی دعوٰی کی تردید کی جائے تو اس اندیشے سے دامن کشاں رہنا ممکن ہے کہ آیا تردید کی لپیٹ میں صرف باطل ہی آیا ہے یا حق بھی متاثر ہوا ہے۔ یعنی ایک متکلم کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صرف صداقت کا ماننے والا ہو۔ وہ جس طریقے اور راستے

---

24. الاعراف ۷:۳۳

Al-A'raf 7:33

25- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص:۳۴۱

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.2, P.341

26۔ آل عمرٰن ۳:۶۶

Al-Imran: 3/66

27- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص:۴۹۶

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.496

سے مقدمات کو ترتیب دے کر حق و صداقت تک رسائی حاصل کرتا ہے اس میں اصطلاحات کے ابہام کی وجہ سے باطل کو قبول کرنے کے اندیشے بھی ہیں۔ علم الکلام کی بہت سی اصطلاحیں اپنے اندر ابہام لیے ہوئے ہیں مثلاً جسم، قرآن مجید نے "جسم" کو تن و توش کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ:

وَ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ "[28] اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے۔[29]

نیز ارشاد باری تعالیٰ:

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ [30] جب تو انہیں دیکھے تو ان کے جسم تجھے خوش نما معلوم ہوں۔[31]

اہلِ اصطلاح نے "جسم" کے معنیٰ میں قدرے وسعت پیدا کی ہے۔ ہوا اور آگ کے شعلوں پر بھی اس کا اطلاق کیا ہے۔ تاہم لسان عرب سے اس کی تائید نہیں ہو پاتی۔ اس کے بعد "جسم" کا اطلاق کسی شئی کی غلظت و ضخامت پر بھی ہونے لگا اور جسمِ حسی اور جسمِ طبعی پر بھی۔ سوال یہ ہے کہ جب معنیٰ کے عدمِ تعین کا یہ حال ہے تو جب تک کتاب و سنت سے ایک معنیٰ کا تعین نہ ہو جائے، اس لفظ کو صفات کے سلسلے میں نفیاً و اثباتاً کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

"صفات کے بارے میں ہم مفاہیم اور معانی کو کتاب اللہ اور سنت رسول سے اخذ کریں گے۔ پھر دیکھیں گے کہ آیا متکلمین اور حکماء کی تجویز کردہ اصطلاحیں ان معانی سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں۔ اگر ہم آہنگ ہوں گی تو ہم بغیر کسی تردد اور ہچکاہٹ کے تائید کریں گے ورنہ یہ کہ کر ٹھکرا دیں گے کہ یہ اصطلاحیں اور پیمانے ہمارے لیے قابل قبول نہیں"[32]

یہ درست ہے کہ نقل کے سلسلہ میں بعض مراحل میں ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سمعیات اور نقل کا فہم و ادراک، عقل و خرد پر موقوف ہے۔ تب بھی یہ قطعاً ضروری نہیں کہ ہم سمعیات اور عقل میں کوئی حقیقی تعارض فرض کر لیں۔ سمعیات پر عقلیات کے تقدم کا سوال اس بناء پر بھی رد کرنے کے قابل ہے کہ دونوں کے مزاج و فطرت میں بڑا فرق ہے۔ جہاں سمعیات کا دائرہ یقین و قطعیت لیے ہوئے ہے، وہاں عقلیات سراسر تناقض و تضاد کا شکار ہیں۔ عقل و ادراک کسی شئی کا وصفِ لازم نہیں ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ دو مختلف اشخاص اور گروہوں کے نتائجِ عقلی سے کسی ایک متفقہ نتیجہ تک پہنچا جا سکے۔ اس کے برخلاف نقل یا سمعیات میں تعارض نہیں ہے۔ ہر مسئلہ اپنی جگہ مستحکم اور ثابت ہے بلکہ دین کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ جن معاملات میں فہمِ انسانی نے اختلاف پیدا کر رکھا ہے، اس کا خاتمہ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

28۔ البقرۃ ۲: ۲۴۷

Al-Baqarah: 2:247

29- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص: ۳۹۷

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.397

30۔ المنافقون ۶۳: ۴

Al-Munafiqun: 63:4

31- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج ۵، ص: ۴۲۰

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.5, P.420

32۔ امام ابن تیمیہ، درء تعارض العقل والنقل، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء)، ج ۱، ص ۱۸۱-۱۸۳

Imam Ibn Taymiyyah, Dar Al-Ta'arad Al-Aql Wal-Naql:, Dar Al-Kitab Al-Alamiya, Beirut, 1997, V.1 ,P. 181-183

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ [33] اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور تم میں سے اختیار والوں کی پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف۔[34]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ[35] دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔[36]

امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"إن الرسل لا يخبرون بمحالات العقول بل بمحارات العقول فلا يخبرون بمايعلم والعقل انتفاءه بل يخبرون بما يعجز العقل من معرفته"[37] بلاشبہ رسول محالاتِ عقل کی خبر نہیں دیتے بلکہ ایسے حقائق کی خبر دیتے ہیں جن پر عقل و دانش متحیر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ ان کی اطلاعات ایسی چیزوں کے بارے میں نہیں ہوتیں جن کی عقل نفی کرتی ہے بلکہ ایسی چیزوں کے بارے میں ہوتی ہیں کہ جن کو پالینے سے عقل عاجز و قاصر ہے۔

مسلمان حکماء کی اکثریت کا مذہب ہے کہ علوم وحی پر انسانی عقل حَکَم نہیں ہو سکتی۔ اس پر کچھ افراد اور گروہوں کی طرف سے ان لوگوں پر شدید اعتراض کیا گیا جو مذہبی معتقدات کی تعبیر میں عقل و منطق کا استعمال کرتے تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں امام اشعری نے معتزلہ کے مباحث کا جواب خود انہی کے انداز و اسلوب میں دینا چاہا تھا تو انہیں سخت ہدف تنقید بنایا گیا۔ روایت پرست حلقوں اور اہل ظاہر نے اعتراض کیے کہ جب اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے اس سلسلے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا تو ان کو موضوعِ بحث کیوں بنایا جائے؟ اگر یہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے لازم ہوتے تو حضور ﷺ ان پر ضرور روشنی ڈالتے۔ اگر آپ ﷺ نے ان پر اظہارِ خیال نہیں فرمایا تو اتباعِ سنت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں بھی ان کے بارے میں گفتگو کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ دینی معاملات میں عقل و فکر کا استعمال ضلالت و گمراہی اور بدعت پر منتج ہو سکتا ہے۔

امام اشعریؒ نے ان روایت پرستوں کے اعتراض کو خود ان کے خلاف استعمال کیا ہے وہ کہتے ہیں:

"أن يقال النبيﷺ لم يقل ايضا انه من بحث عن ذلك وتكلم فيه فاجعلوه مبتدعا ضالا فقد لزمكم ان تكونوا مبدعة ضلالا اذ قد تكلمتم فى شىء لم يتكلم فيه النبي ﷺ[38]" کہ اگر نبی اکرم ﷺ نے ان مسائل

33۔ النساء ۴:۵۹
Al-Nisa 4:59

34۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج ا، ص ۷۰۳
Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.703

35۔ البقرۃ ۲ :۲۱۳
Al-Baqarah 2:213

36۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج ا، ص ۳۳۹
Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.339

37۔ درء تعارض العقل والنقل: ج ا، ص ۸۲
Dar Al-Ta'arad Al-Aql Wal-Naql: V.1, P.82

38۔ ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری، استحسان الخوض فی علم الکلام، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱)، ص ۴

پر اظہار خیال نہیں کیا تو آپ نے ان پر گفتگو کرنے کو ممنوع بھی قرار نہیں دیا۔ جو معترضین انہیں بدعت اور ضلالت قرار دیتے ہیں وہ خود بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ کلامی مسائل اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ آنحضرت ﷺ اور کبار صحابہ کرام میں موجود نہ تھے، لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان کے اساسی اصول خود قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا [39] اگر آسمان وزمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور معبود بھی ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے۔[40]

یہ مسائل نبی اکرم ﷺ کے علم میں تھے وہ ان سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے ان پر گفتگو اس لیے نہیں کی کہ یہ واقعتاً اس دور میں پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تاہم ان کے اصول قرآن وسنت میں موجود ہیں۔

امام ابو الحسن الاشعریؒ خلقِ قرآن کے مسئلہ میں توقف کرنے والوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں اور کہتے ہیں:

"ایسا کرنے والے ضال اور مبتدی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے کبھی حادثہ وقوع پذیر ہونے کے بعد اس پر توقف نہیں کیا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے قرآن کے خلق ہونے کی نفی تو کی اور اسے مخلوق کہنے والوں کی تکفیر کرنا یہی ہے کہ امام احمد نے اس معاملہ میں سکوت اختیار نہیں کیا بلکہ کلام کیا ہے"[41]

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام عقائد وعلوم دینیہ کے معاملہ میں وحی کو عقل پر برتری دیتا ہے۔ عقائدِ اسلامیہ کے دفاع کے لیے عقل ومنطق کو استعمال تو کیا جاسکتا ہے لیکن عقائد وایمانیات کی بنیاد وحی اور قطعی اثبات پر ہونی چاہیے۔ دینی معاملات میں غور وخوض جائز ہے لیکن تنہا عقل، ایمان وعقائد کی گتھیاں نہیں سلجھا سکتی۔

قرآن مجید نے اپنے فہم وبصیرت کے لیے عقل کے استعمال کی دعوت دی ہے لیکن اس کو شرطِ ایمان واطاعت قرار نہیں دیا۔ اسی لیے ایک مخلص مسلمان پہلے غیر مشروط ایمان قبول کرتا ہے پھر اس کے مصالح کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے خواہ ان کا ادراک ہو یا نہ ہو، اس کو اپنے ایمان پر کلی اطمینان ہوتا ہے البتہ وجہ بصیرت کے لیے مزید اطمینان قلب کا طلب گار ہوتا ہے۔

عقائد کے ضمن میں ایمان بالغیب کی اہمیت وحیثیت واضح ہے جس پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ*الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ[42] اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔[43]

Abu al-Hasan Ali ibn Isma'il Ash'ari, Istihasan al-Khowd fi Ilm al-Kalam, Dar al-Kitab al-'Ulamiyah, Beirut, 2011, p. 4

39۔ الانبیاء ۲۱: ۲۲

Al-Ambiya 21:22

40- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص ۴۲۶

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.3, P.426

41۔ استحسان الخوض فی علم الکلام، ص ۴-۹

Istishan al-Khowd fi Ilm al-Kalam, p: 4-9

42. البقرۃ ۲: ۲-۳

Al-Baqarah 2: 2-3

43- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر ابن کثیر،، ج۱، ص ۸۱

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.81

ایمان بالغیب کا مقصود مادہ پرستی کے جذبات کی تردید ہے۔ اسلام ہمیں اس حقیقت سے آشنا کرنا چاہتا ہے کہ حقائق کی دنیا صرف ہمارے حواس اور تجربات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار اس قدر لا محدود ہے کہ انسانی عقل کی جہاں تک رسائی ہی نہیں ہے۔ البتہ ایمان بالغیب کا قطعاً یہ تقاضا نہیں کہ اندھی تقلید اختیار کی جائے بلکہ عقل کا استعمال کرتے ہوئے حِکَم و مصالح کو سمجھنے کی مثبت کوشش کی نا صرف حوصلہ افزائی کی گئی ہے بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے ہاں عقل و تجربہ کے میزان میں قرآن و حدیث کی توزین سے منع فرمایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ عقلی رجحانات کے فروغ کے حقیقی اسباب خواہ کچھ بھی ہوں ان کی بناء پر جب عقلیت پسندی پروان چڑھی تو شاید کچھ وسعتِ نظر کو تو جگہ ملی ہو لیکن اس سے فکری اخلاص اور پختگئ ایمان پر جو زد پڑی اس سے انکار ممکن نہیں۔

سر سید کی عقلی تعبیرات

عقلیت پسندی کی ابتدا معتزلہ سے ہوئی۔ جب یونانی فلسفہ و منطق کی بنیاد پر اسلامی عقائد و نظریات پر جب تنقید کی جارہی تھی تو معتزلہ نے عقائدِ اسلامی کے دفاع کا بیڑہ اٹھایا اور انہوں نے نقل پر عقل کو فائق قرار دیا۔ چنانچہ برصغیر میں اس کا آغاز سر سید احمد خان سے ہوا۔ عقلی رجحانات میں اصولی ہم آہنگی کی حد تک دورِ جدید میں سر سید، معتزلہ کے ہم فِکر کہلائے۔ دور قدیم میں گویا معتزلہ کو یونانی فلسفہ کا سامنا رہا تو دور جدید کے عقلیت پسندوں کو مغربی فلسفہ کا چیلنج درپیش ہے۔

سر سید چاہتے تھے کہ مذہب اور فلسفہ و سائنس میں ہم آہنگی ثابت کی جائے کہ مذہب عقل کے خلاف نہیں ہے۔ اسی نظریہ کی بنیاد پر انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر بیان کی۔ عقلیت پسندی کے دورِ جدید میں سر سید نے اسی اصول یعنی عقل کی نقل پر برتری کو اس طرح اختیار کیا کہ اگر کوئی آیتِ قرآنی عقل سے ٹکرا رہی ہو تو اس کی ایسی تاویل کی جائے کہ وہ عقل کے مطابق ہو جائے۔

یہ بات واضح ہے کہ تفسیر قرآن کے دور جدید میں عقلی تعبیرات و ترجیحات کے تمام تر ڈانڈے تحریکِ استشراق سے ملتے ہیں۔ سر سید نے قرآن کی تعبیر و تفسیر میں عقل کو حاکم قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی مادی ترقی کی راہ میں سر فہرست رکاوٹ قرآن کی قدیم تشریحات و تعبیرات ہیں۔

سر سید کے خلوصِ نیت میں کون شک کر سکتا ہے مگر مغرب کی چکا چوند ترقی کی دل کشی، عقلی ترجیحات کی طرف قلبی میلان اور دین اسلام کو دور جدید کے ساتھ لے کر چلنے کی خواہش نے دین کی تعبیر و تشریح میں ان اسلاف کی روایات سے اس قدر دور کیا ہے کہ جس کے اثرات ہنوز باقی ہیں اور جن سے دور جدید کا تفسیری و تعبیری ادب بھی خالی نہیں ہے۔ اور ان کے اس رویے نے اسلام کے جسم و روح کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔

سر سید احمد خان نے اسلام اور قرآن کو عقل کے معیار پر پرکھا جس میں ملائکہ کے وجود کی گنجائش ہے اور نہ ہی جنت و دوزخ کا کوئی نشان، جِنات و ابلیس کے وجود کا بیان اور معجزات و کرامات پر ایمان تو ان کے نزدیک لایعنی حیثیت کے حامل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن کریم پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن کو خود ہی سمجھنا چاہیے"[44]

سر سید نے دین اسلام کو عقلی معیارات پر پرکھتے ہوئے مسلّماتِ دین کا انکار کیا اور قرآن مجید میں جہاں معجزات یا مظاہرِ قدرتِ خداوندی کا ذکر ہے' اس کی فاسد تاویل اور من مانی تشریح کی ہے۔ ان کی تفسیر "تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان" سے چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ سورہ البقرہ میں کوہ طور کو بنی اسرائیل پر کھڑا کرنے کے بیان میں ارشاد ہے:

44۔ سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، (دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار لاہور، ۱۹۸۲ء)، ج ۲، ص ۱۹
Khan, Sir Syed Ahmed, Tafsir-ul-Quran, Dost Associates, Urdu Bazaar Lahore, 1982 vol. 2, p. 19

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ[45]اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا۔[46]

سر سید اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر نہیں رکھا تھا' آتش فشانی سے پہاڑ ہل رہا تھا اور وہ اس کے نیچے کھڑے رہے تھے کہ وہ ان کے سروں پر گر پڑے گا"[47]

سر سید نہ صرف آیت کی غلط تاویل کرتے ہیں بلکہ مفسرین کا مذاق بھی اڑاتے ہیں، صرف اس لیے کہ اس واقعہ کا ان کی عقل کو ادراک نہیں، لکھتے ہیں:

"مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو عجیب و غریب واقعہ بنا دیا ہے اور ہمارے مسلمان مفسرِ عجائباتِ دور از کار کا ہونا مذہب کا فخر اور اس کی عمدگی سمجھتے تھے' اس لئے انہوں نے تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات (یعنی معجزات) بھر دی ہیں' بعضوں نے لکھا ہے کہ کوہِ سینا کو خدا ان کے سروں پر اٹھا لایا تھا کہ مجھ سے اقرار کرو نہیں تو اسی پہاڑ تلے کچل دیتا ہوں' یہ تمام خرافات اور لغو اور بیہودہ باتیں ہیں"[48]

آتش فشانی اور پہاڑ کے لرزنے کا بیان سر سید کے عقلی رجحانات کی ایک واضح مثال ہے۔ تمام مفسرین نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے کسی نے بھی اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں کی جو سر سید نے کی ہے۔

اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ جنت و دوزخ حق ہیں اور دونوں پیدا کی جا چکی ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ[49]اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[50]

دوزخ کی پیدائش کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ[51]اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[52]

45۔ البقرۃ ۲:۶۳

Al-Baqarah 2:63

46- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص:۱۶۴

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.164

47 - تفسیر القرآن: ج۱، ص۱۸۳

Tafsir-ul-Quran: V.1, P.183

48۔ تفسیر القرآن: ج ۱، ص۹۷-۹۹

Tafsir al-Quran: V.1, P. 97-99

49۔ آل عمران ۳ : ۱۳۳

A'l-e-Imran 3:133

50- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص:۵۴۳

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.543

51۔ البقرۃ ۲:۲۴

Al-Baqarah 2:24

52- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص ۱۱۲

سرسید جنت و دوزخ دونوں کے وجود کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تو یہ مسئلہ کہ بہشت اور دوزخ دونوں بالفعل مخلوق وموجود ہیں ' قرآن سے ثابت نہیں"[53]

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"یہ سمجھنا کہ جنت مثل باغ کے پیدا کی ہوئی ہے ' اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ میں سرسبز وشاداب درخت ہیں ' دودھ وشراب وشہد کی نالیاں بہہ رہی ہیں ' ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے... ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے ' اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات (شراب خانے) اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں"[54]

قرآن میں جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کسی سے مخفی نہیں مگر سرسید نے عقلی معیارات کے منافی قرار دیتے ہوئے نا صرف ان کا صاف انکار کیا بلکہ طنز کرتے ہوئے شراب خانوں کو جنت سے ہزار درجے بہتر قرار دیا۔ بیت اللہ کی عظمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ[55] اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا، وہ ہے جو مکہ شریف میں ہے۔ جو تمام دنیا کے لیے برکت وہدایت والا ہے۔[56] دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ[57] اس خانہ کعبہ کو جو حرمت وبزرگی کا مکان ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنا دیا ہے۔[58]

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے، اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے، اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوئے"[59]

مزید لکھتے ہیں:

"کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے"[60]

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.112

53۔ تفسیر القرآن: ج۱، ص۳۰

Tafsir-ul-Quran: V.1,P.30

54۔ ایضاً: ج۱، ص۲۳

Also: V.1, P.23

55۔ آلِ عمران ۳:۹۶

A'l-e-Imran 3:96

56- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۵۱۷

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.517

57۔ المائدہ ۵:۹۷

Al-Maida 5:97

58- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص ۱۷۹

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.2, P. 179

59۔ تفسیر القرآن: ج۱، ص۲۵۱۔۲۱۱

Tafsir-ul-Quran:V. 1, P.211-251

60۔ ایضاً: ج۱، ص۱۵۷

Also: V.1, P.157

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا[61] عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا۔[62]

اس آیت کی رو سے خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے پر یقین نہ رکھنے والوں کو بیوقوف کہا گیا ہے۔

فرشتوں کا مستقل خارجی وجود قرآن وحدیث سے صراحۃ ثابت ہے اور اس پر ایمان اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے' ان کے وجود کو مانے بغیر کوئی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لا يَعْصُوْنَ الله مَاۤاَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ[63] (فرشتے خدا کی ایسی مخلوق ہیں) جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم کیا جائے بجالاتے ہیں۔[64]

پھر سورہ الحجر میں فرشتوں کے حضرت لُوطؑ کے پاس پہنچنے اور قوم لُوط پر عذاب ڈھانے کا تفصیلی اور اس قدر صریحی بیان ہے کہ اس کے بعد کسی صراحت کی کمی باقی نہیں رہتی"[65]

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا مستقل خارجی وجود ہے' مگر سرسید اس کو نہیں مانتے، لکھتے ہیں:

"قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا"[66]

مزید لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ جو حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے' انسان تھے اور قوم لوط کے پاس بھیجے گئے تھے۔ علماء مفسرین نے قبل اس کے کہ الفاظ قرآن پر غور کریں یہودیوں کی روایتوں کے موافق ان کا فرشتہ ہونا تسلیم کر لیا ہے' حالانکہ وہ خاصے بھلے چنگے انسان تھے"[67]

مختلف غزوات کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو بھیجا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

61- البقرۃ۱:۱۴۲

62- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۲۵۵
Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.255

63- التحریم ۶: ۶۶
Al-Tahreem 6:66

64- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج۵، ص۴۵۳
Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.5, P.453

65- الحجر ۱۵: ۵۸-۷۷
Al-Hajar:15/58-77

66- تفسیر القرآن، ج۱، ص۴۲
Tafsir-ul-Quran:V. 1, P.42

67- ایضاً: ج۵، ص۶۱
Also: V.5, P.61

ولقد نصرکم الله ببدر وانتم اذلة[68] جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔[69]

سرسید اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"بڑا بحث طلب مسئلہ اس آیت میں فرشتوں کا لڑائی میں دشمنوں سے لڑنے کے لئے اترنا ہے، میں اس بات کا بالکل منکر ہوں، مجھے یقین ہے کہ کوئی فرشتہ لڑنے کو سپاہی بن کر یا گھوڑے پر چڑھ کر نہیں آیا، مجھ کو یہ بھی یقین ہے کہ قرآن سے بھی ان جنگجو فرشتوں کا اترنا ثابت نہیں"[70]

قرآن مجید میں حضرت جبرائیلؑ ذکر ہے:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ[71] جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔[72]

حدیث جبرائیل" میں جب سوالات کرنے کے بعد حضرت جبرائیلؑ تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا:(فانه جبرائيل اتاكم يعلمكم دينكم) یہ حضرت جبرائیلؑ تھے، تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے"

سرسید حضرت جبرائیلؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہم بھی جبرائیل اور روح القدس کو شئی واحد تجویز کرتے ہیں مگر اس کو خارج از خلقتِ انبیاء جداگانہ مخلوق تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ خود انبیاء علیہم السلام میں جو ملکہ نبوت ہے اور ذریعہ مبدءِ فیاض سے ان امور کے اقتباس کا ہے جو نبوت یعنی رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں، وہی روح القدس ہے اور وہی جبرائیل ہے"[73]

اس عبارت میں سرسید نے اس بات کا انکار کیا کہ حضرت جبرائیلؑ کوئی خارجی وجود ہے، بلکہ ان کے نزدیک یہ رسول اکرم ﷺ کی طبیعت میں ودیعت کردہ ایک ملکۂ نبوت کا نام ہے۔

جنات و شیاطین کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے لئے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، مگر سرسید اس کا انکار کرتے ہیں حضرت سلیمانؑ ان کے ماتحت جنات کے کام کرنے کے قرآنی واقعہ پر تبصرہ کرتے ہیں:

68- آلِ عمران ۳: ۱۲۳

A'l-e-Imran 3:123

69- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص: ۵۳۷

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P. 537

70- ایضا: ج ۲، ص ۵۲

Also:V.2, P.52

71- البقرۃ ۲: ۹۸

Al-Baqarah 2:98

72- حافظ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۱۸۹

Molana Muhammad Juna Grhi,Translation Tafsir Ibn-e-kasir, V.1, P.189

73- تفسیر القرآن: ج ۲، ص ۱۵۶، ج ۱ ص ۱۸۱-۱۷۰-۱۲۹-۱۲۲

Tafsir-ul-Quran:V. 2, P.156, V. 1, P.181,170,129,122

"ان آیتوں میں "جن" کا لفظ آیا ہے' اس سے وہ پہاڑی اور جنگلی آدمی مراد ہے' جو حضرت سلیمانؑ کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے اور جن پر بسبب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسانوں سے جنگلوں میں چھپے رہتے تھے اور بسبب قوی اور طاقتور اور محنتی ہونے کے "جن" کا اطلاق ہوا ہے پس اس سے وہ جن مراد نہیں جن کو مشرکین نے اپنے خیال میں ایک مخلوق مع ان اوصاف کے جو ان کے ساتھ منسوب کئے ہیں' مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں"[74]

اس طرح سرسید شیطان کا الگ مستقل وجود تسلیم نہیں کرتے' بلکہ انسان کے اندر موجود شر انگیز صفت کو شیطان قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

"انہی قویٰ کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفسِ امارہ یا قوائے بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں' یہی شیطان ہے"[75]

سرسید کی عقلی تعبیرات کے اثرات

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا طویل المدت دورِ اقتدار ان کے دنیا میں اپنے مخصوص اسلامی تشخص وتعارف کا باعث بنا۔ تمام تر شعبہ ہائے زندگی میں مادی ترقی کے ساتھ علمی وادبی دنیا میں بھی مسلمانوں نے ترقی کا سفر طے کیا۔ مذہبی علم وادب کے تمام علوم وفنون میں عمومی اور قرآن وحدیث کے فہم و بصیرت میں خاص دل چسپی، محبت، اور شغف ظاہر ہوا جو کہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس باب میں قد آور علمی ادارے اور وہاں سے فیض یاب ہونے والی علمی شخصیات کی ایک لمبی فہرست برصغیر کی تاریخ کی ماتھے کا جھومر ہے جس سے کبھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اس فہرست کا ایک ایک نام مستقل تحریکات کی بنیاد بنا ہے۔ جن میں ایک تحریک پاکستان بھی تھی جس نے دنیا کے نقشے پر ان مٹ نقوش قائم کیے ہیں۔

برصغیر میں قرآن فہمی اور تفسیری ادب کا میدان اپنے اندر وسیع تنوع کا حامل ہے جو کہ مختلف ادوار کے مختلف تقاضوں کو نبھاتے ہوئے کئی طرح کے رجحانات کی بنیاد بنا ہے۔ ان رجحانات میں سے ایک رجحان قرآن مجید کی عقلی تعبیر و تشریح کا بھی ہے۔ جس کے سرخیل سرسید احمد خان ہیں، جو کہ مغربی تہذیب سے متاثر ہونے کی بناء پر یہ سمجھتے تھے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی مادی ترقی کی راہ میں سرفہرست رکاوٹ قرآن کی قدیم تشریحات و تعبیرات ہیں۔ لہٰذا انہوں نے قرآن کے واضح نصوص کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا اور جو کچھ بھی ان کے قائم کردہ عقلی معیار پر پورا نہ اترا، بلا تامل اس کا انکار کر دیا۔ سرسید کے اس رویے کے بارے میں لکھا گیا کہ:

"۱۸۶۸ء میں انہوں نے مغرب سے متاثر طرز زندگی اختیار کیا، برطانوی حکمران طبقہ سے پر خلوص معاشرتی تعلقات بڑھائے اور ۱۸۶۹ء- ۱۸۷۰ء میں انگلستان کا سفر کیا"[76]

پروفیسر احمد مزید لکھتے ہیں:

"سید احمد خان نے ۱۸۶۹ء- ۱۸۷۰ء میں انگلستان کا جو سفر کیا اور جس کا مقصد ہندوستان کی ترقی اور فلاح کے لیے وہاں کے اداروں اور تہذیب کا بغور مطالعہ کرنا تھا، ان کی مغربیت پسندی کے سلسلے میں نشانِ راہ کا درجہ رکھتا ہے۔"[77]

74- ایضا: ج۳، ص۶۷

Also: V.3, P.67

75- ایضا: ج۳، ص۴۵

Also: V.3,P.45

76- پروفیسر احمد، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۷)، ص۶۰

Professor Ahamd, Islamic Modernism in Subcontinent, Institute of Islamic Civilization, Lahore, 2nd Edition, 1997, p.60

77- ایضا: ص۶۰

Also: p.60

سر سید کا خیال تھا کہ مغربی دنیا کی ترقی ان کی ذہانت اور عقل پسندی کی بناء پر تھی۔ اسی لیے 1857ء میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب پر غور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امابعد، جب غدر کا زمانہ گزر گیا اور مسلمانوں پر بھی جو گزرنا تھا گزر گیا تو مجھ کو اپنی قوم کی اصلاح کی فکر ہوئی، میں نے اس پر بہت غور کیا اور ایک زمانہ کے غور کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ان کی دینی و دنیوی اصلاح بغیر اس کے کہ ان کو علوم وفنون جدیدہ میں جو اور قوموں کے سرمایہ افتخار ہیں، اور اس زبان میں جو ہم پر بمشیۃ اللہ حکومت کرتی ہے تعلیم نہ دی جائے تو اور کسی طرح ممکن نہیں"[78]۔

مادی ترقی میں حائل رکاوٹ کو دور کرنے اور تجدد پسندی کے حصول کے لیے سر سید نے عقلی تعبیرات پر مبنی قرآن مجید کی تفسیر کی جو بناء ڈالی، اس نے بعد میں آنے والے علمی و تفسیری ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر قوانینِ فطرت و عقل کی بنیاد پر کرنے کا رجحان عام ہوا جس نے برصغیر میں تاویلات پر مبنی طرزِ تفسیر کی راہ ہموار کی۔ اس رجحان نے اس قدر شدت اختیار کی کہ بات فقہ و حدیث کے انکار تک بھی نہ رکی اور قرآن مجید کی ایسی عقلی تعبیرات و ترجیحات شروع ہوئیں جن کا مقصود محض عقلی مقتضیات اور مادی تقاضوں کی تکمیل تھا۔

اس طرز فکر نے بعد ازاں کئی جماعتوں کو جنم دیا۔ اس سلسلے میں ایک نام 'اہل قرآن' کا ہے جو عبد اللہ چکڑالوی کی قائم کردہ جماعت 'اہل الذکر والقرآن' کا مختصر نام ہے۔ انہوں نے حجیتِ حدیث کے انکار کی شدت کے باعث یہ نام اختیار کیا اور 'حسبنا کتاب اللہ' کا نعرہ لگاتے ہوئے حدیثِ نبوی ﷺ کی تشریعی و تشریحی حیثیت کا انکار کیا۔

اہلِ قرآن آیات متشابہات کی تشریح میں استعارات اور تاویلات استعمال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام تر اصولِ تفسیر، مسلمہ عقائد و نظریات اور عربی زبان کے مسلمہ قواعد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان عقلی تعبیرات پر مشتمل رنگ برنگے تفردات سامنے آتے ہیں۔

سر سید کی انہی عقلی تعبیرات کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے معجزات جیسے مسلّمہ عقائد و نظریات اور اعمال جن پر امت مسلمہ کا عہد رسالت سے ایمان اور تعامل رہا، آج ان سے دوری کا رجحان پروان چڑھ رہا ہے۔ تجدد پسندی کی تلاش میں مسلمانوں کا اپنی قابلِ فخر اقدار وروایات، بنیاد پرستی پر مبنی درخشاں تہذیب اور اسلاف سے رشتہ کمزور ہو رہا ہے۔ اور وہ قرآن وسنت کو اپنا طرزِ زندگی سمجھنے کے بجائے عقل وسائنس کے خوگر ہو چکے ہیں۔

دین و دنیا کی تفریق کا مغربی تصور زور پکڑ رہا ہے۔ جس کے باعث عفت وحیا پر مشتمل لباس جیسے کئی اسلامی شعائر کو علاقائی رسوم ورواج قرار دے کر بے وقعت اور غیر اہم قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اسلام، عقائدِ اسلام اور احکامِ اسلام کے بیان میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں مسلم خود اعتمادی کو ٹھیس پہنچی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی عقائد و شعائر کے متعلق جن تصورات کو سر سید نے اختیار کیا ہے وہ کسی نہ کسی انداز میں متقدمین کے ہاں بھی انفرادی سطح پر موجود تھے لیکن ان کو اجتماعی سطح پر ایک دعوتی تحریک سر سید سے پہلے کسی اور نے نہیں دی۔

78- سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، دیباچہ، (دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ۱۹۹۸ء)، ص: ۱

Sir Syed Ahmad Khan, Tafsir-ul-Quran, Dost Associates, Lahore, 1998, p. 19

خلاصۃ البحث

سرسید کا یقین تھا کہ مذہبی معاملات میں عقل کا دخل ہونا چاہیے اور بغیر عقلی استدلال کے آنکھ بند کر کے مذہبی مسائل کو قبول نہیں کرنا چاہیے اس لیے انہوں نے تقلید کی پرزور مخالفت کی۔ سرسید نے قرآن پاک کی تشریح عقلی دلائل کی روشنی میں کرتے ہوئے ماکثر واقعات اور قصص کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مذہبِ اسلام کو سائنس، فلسفے اور قانون کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی، جس کا نتیجہ تمام معجزات اور کرامات کے انکار کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سرسید کے مذہبی افکار و نظریات پر اس دور کے اہل فکر و ادب نے بہت نقد کیا اور آج بھی ان کی اس مذہبی فکر سے جمہور اہل سنت اتفاق نہیں کرتے۔

نتائج

اس تحقیقی مقالہ کے جو نتائج محقق کے سامنے آئے ہیں درج ذیل ہیں:

1۔ اسلام نے احکامِ شریعت کو سمجھنے کے لیے عقل کا استعمال کرتے ہوئے غور و فکر کی کھلی دعوت دی اور اس امر کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ اپنے عقل و اذہان پر تالے مت لگائیں اور علیٰ وجہ البصیرت قرآنی ھدایات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

2۔ شریعتِ اسلامیہ نے عقل کو نقل پر حاکم اور ثالث مقرر نہیں کیا۔

3۔ شرعی احکام میں عقل ہمہ وقت وحی الٰہی کی تابع اور محتاج ہے، لہٰذا شریعت پر عمل کرنے کے لیے عقل کو معیار نہیں بنایا گیا۔

4۔ قرآن مجید کا کوئی حکم خلافِ عقل نہیں، البتہ ضروری نہیں کہ انسان کی ناقص اور محدود عقل کو اس کا ادراک ہو۔

5۔ سرسید احمد خان نے احکامِ شریعت کو سمجھنے کے لیے عقل کو حاکم قرار دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ مسلّماتِ اسلامیہ سے دور ہوئے ہیں۔

6۔ سرسید عقل اور نقل کے تصادم پر یقین رکھتے ہیں اور اس تصادم سے بچنے کے لیے نقل کو عقل کا تابع قرار دیتے ہیں۔